ضبط کے نمونوں میں عموماً یہ ترتیب ملحوظ رکھی جاتی ہے پہلے پاکستانی طریق ضبط لکھا جاتا ہے ۔ اس کے بعد ایرانی اور ترکی ضبط (بالعموم ملتا جلتا ہے) اس کے بعد عرب ملکوں کا ضبط اور آخر پر افریقی ممالک کا ضبط بتایا جاتا ہے ۔ افریقی ممالک میں ہمزۂ قطع (کی علامت قطع کو) کئی طریقوں سے ظاہر کیا جاتا ہے ۔ مثلاً s ، E ، ٥ (گول زرد نقطہ) اور بعض افریقی ملکوں (مثلاً تونس اور لیبیا) میں عرب ملکوں کی طرح " ء " کو بھی استعمال کیا جاتا ہے ۔ ہم نے افریقی ممالک کے ضبط میں زیادہ تر " E " کو ہی علامتِ قطع کے طور پر پیش کیا ہے ۔ جن کلمات کا ضبط سب جگہ یکساں ہے ۔ اسے صرف ایک دفعہ ہی لکھا گیا ہے ۔ زیرِ مطالعہ آیت میں اختلافاتِ ضبط کو مندرجہ ذیل نمونوں کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے ۔

وَ بَشِّرِ ، بَشِّرِ / الَّذِيْنَ ، الَّذِينَ ، ٱلَّذِينَ ،
الَّذِين / اٰمَنُوْا ، اٰمَنُوا ، ءَامَنُوٓاْ ، آمَنُوا /
وَعَمِلُوا ، عَمِلُوْا ، عَمِلُوا / الصّٰلِحٰتِ ،
الصَّالِحٰتِ ، ٱلصَّٰلِحَٰتِ / ان ، ان ، ان /
لهم ، لهم / جَنّٰتٍ ، جَنَّٰتٍ ، جَنَّاتٍ /
تَجْرِىْ ، تَجْرِى ، تَجْرِي ، تَجْرِے / مِنْ ،
مِن ، مِن / تَحْتِهَا ، تَحْتِهَا / الْاَنْهٰرُ ،
ٱلْأَنْهَٰرُ ، ألْأَنْهَارُ / كُلَّمَا ، كُلَّمَا /
رُزِقُوْا ، رُزِقُوا ، رُزِقُوٓاْ ، رُزِقُوا /
مِنْهَا ، مِنْهَا ، مِنْهَا / مِنْ ، مِن ، مِن /
ثَمَرَةٍ ، ثَمَرَةٍ / رِّزْقًا ، رِّزْقًا / قَالُوْا
قَالُوا ، قَالُوٓاْ ، قَالُوا / هٰذَا ، هَٰذَا ، هَذَا /

(باقی صفحہ ۶۴ پر)

اسلامی معیشت میں سادگی اور کفایت شعاری کی اہمیت (۳)

—— ازقلم: ڈاکٹر امین اللہ وثیر ——

اصلاحِ معاشرہ کے ضمن میں حضورؐ کا عمل اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب سادگی اور کفایت شعاری طبیعت کا جزو بن جائے تو طبیعت کا سلجھاؤ خود بخود انسانی زندگی کو سادہ اور پروقار بنا دیتا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

"مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ"

(کسی آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جس سے اس کا تعلق نہ ہو)

یعنی ہر اُس چیز یا کام سے غرض نہ رکھے جو بے مقصد ہے اور نہ ہی جس کا دنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ ہے۔ اس حدیث پاک میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے اس نے مسلمانوں کو بیکار اقوال و افعال، فضول گفتگو، بیکار کھیل تماشے اور وقت کی بربادی سے منع کیا ہے تاکہ وہ ان فضولیات سے منہ موڑ کر اپنی صلاحیتوں کو بامعنی اور تعمیری کاموں میں صرف کریں۔ آپؐ کے صحابہ کرامؓ اور آپؐ کے خلفاء عظامؓ کی بھی یہی شان تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منصبِ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد محض ایک متوسط درجے کے کنبے کی کم از کم ضروریات کے مطابق خزانۂ عامرہ سے وظیفہ لینے پر اکتفا کیا۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ بیت المال سے ایک عام مسلمان کی معمولی ضروریات سے زیادہ بارِ خلافت کا وظیفہ حاصل نہیں کرتے تھے۔ فرمایا: "میرے لیے بیت المال سے صرف اتنا لینا حلال ہے: دو جوڑے کپڑے، ایک سردیوں کے لیے اور ایک گرمیوں کے لیے، حج و عُمرہ کے لیے احرام اور قریش کے ایک عام آدمی کی معاش کے برابر اپنے اہل و عیال کے لیے اخراجات"۔

حضرت عثمانؓ کو خزانے سے لینے کی حاجت ہی نہیں تھی اور حضرت علی مرتضیٰؓ عام لنگر سے کھانا کھاتے تھے جو عام لوگوں کو ملتا وہی کھا لیتے اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے۔

حضرت عمرؓ خلیفۂ ثانی کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ شام سے ایک قاصد آیا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ امیر المومنین کے دسترخوان پر فقط جَو کی روٹی موجود ہے، اس نے پوچھا: آپ گیہوں کی روٹی کیوں تناول نہیں فرماتے؟ ارشاد ہوا: کیا ہماری مملکت میں ہر شخص کو گیہوں کی روٹی میسّر ہے؟ میں تو وہی کچھ کھاؤں گا جو ہر شخص کو بآسانی میسّر ہوگا اور جسے سب بآسانی کھا سکیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذہان و قلوب سے حرص و ہوا، حبِّ جاہ اور حبِّ مال کو جڑوں سے باہر نکال کر پھینک دیا اور معاشرہ کو سادگی اپنانے کا وہ عظیم الشان درس دیا جس کا مظاہرہ تاریخ میں یوں ہوا کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ فتح القدس کے وقت جب وہاں تشریف لے گئے تو نہایت سادہ وضع قطع میں تھے۔ آپؓ سے اچھا لباس زیبِ تن کرنے کی درخواست کی گئی تاکہ اغیار پہ رعب پڑے تو آپ نے انکار کیا اور فرمایا:

"ہمارے لیے اسلام کا رعب کافی ہے۔"

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اپنی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" میں لکھتے ہیں:

"یوں تو ہر شخص اپنے روپے، پیسے اور ذرائع آمدنی کو انفرادی ملکیت کی بنا پر اپنی راحت اور اپنے عیش پر صَرف کرنے میں مختار و مجاز ہے لیکن اگر یہی اختیار و اجازت حدِّ اعتدال سے نکل کر اس غلط راہ پر پڑ جائے کہ عورتوں میں زیور کی کثرت، زیب و زینت کے لیے گراں قیمت کی اشیاء کی خریداری، فیشن کی دلدادگی اور مردوں میں اسراف و نمائش سے متعلّق عام ضروریاتِ انسانی سے الگ خارج از اعتدال تفریحی اخراجات کا ایسا ہمہ گیر شوق و ذوق پیدا ہو جائے کہ قوم کی قوم اس میں مبتلا نظر آنے لگے اور یہاں تک نوبت پہنچ جائے کہ بازاروں میں عام حاجات کی اشیاء کے مقابلہ میں بناوٹی حُسن اور زیبائش کی اشیاء کا لین دین بڑھ جائے۔ اہلِ صنعت و حرفت کی نظر ان ہی امور کی دیدہ زیبی اور لطافت آفرینی میں محو اور مصروف ہو جائے، تجّار کی تجارت کا فروغ صِرف اسی پر منحصر ہو کر رہ جائے، مردوں کی محنت کا ثمرہ دولت اسی پر خرچ ہونے لگے اور عام ضروریات کی تجارت، خام اجناس کی زراعت اور رفاہِ عام کے سلسلہ کی صنعت و حرفت، کساد بازاری کے نذر ہونے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس قوم کا اقتصادی جہاز گردابِ ہلاکت میں گھر چکا ہے اور آج نہیں تو کل اس کے لیے تخت کی جگہ تختہ اور زربفت و کمخواب کی جگہ ٹاٹ و پلاس بھی میسّر نہیں آئے گا۔"

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس مسئلہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ تمدّن و معیشت کے فساد کی راہوں میں یہ بہت بڑی راہِ فساد ہے، لکھتے ہیں :

" اسی طرح تمدّن کی تباہی وہلاکت کے امور میں سے یہ ہے کہ امّت کے مالدار، زیورات، لباس، مکانات، خورد و نوش اور عورتوں کے حسن و زیبائش وغیرہ کی باریک بینیوں اور دقیقہ سنجیوں میں مبتلا ہو جائیں اور حاجات و ضروریات سے زیادہ عیش و تنعّم کی زندگی میں مشغول و منہمک رہنے لگیں۔"

اور نتیجہ یہ نکلے کہ ——

" لوگوں پر اس کی وجہ سے سخت مصیبت آن پڑے اور آخر کار اس شہر یا ملک کا یہ ضرر آہستہ آہستہ ایک عضوِ اجتماعی سے دوسرے عضو میں سرایت کرتا جائے یہاں تک کہ تمام مخلوق ایک عام تباہی میں گرفتار ہو جائے۔"

" اور یہ مرض عجمی تمدّن پر چھایا ہوا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ اس مرض کا اس طرح علاج کریں کہ اس فاسد تمدّن کا مادہ ہی ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جائے۔ اس لیے آپ نے دیکھا کہ اس تمدّن کی زیادہ تر بنیاد مردوں کو طرح طرح کے ریشمی اور حریری لباس کی نزاکت کے ذوق، گانے والی عورتوں کے شوق اور سونے کے زیورات کی (بہتات) اور چمک دمک کے عشق میں سونے کا سونے کے ساتھ کمی زیادتی کے لین دین پر قائم ہے۔ لہٰذا آپ نے ان باتوں کی اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کی ممانعت کر دی اور حکم دے دیا کہ اس مصنوعی اور تباہ کُن عیش پسندی کو ختم ہونا چاہیے اور سادہ زندگی کو اختیار کرنا چاہیے۔"

ایک جگہ شاہ صاحبؒ اہلِ فارس اور اہلِ روما کی عیاشانہ زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

" تاریخ شاہد ہے کہ اہلِ روما اور اہلِ فارس (ایران) میں ایک لمبی مدت تک حکومت رہی۔ انہوں نے اپنے دَور کے حالات کے مطابق تمدن کے لوازم اور رفاہیت (آرام پرستی) اور عیاشانہ زندگی میں غیر معمولی ترقی کی۔ آخرت کی یاد کو پسِ پشت ڈال کر اپنی دنیوی زندگی کو عیاشی کے ساتھ بسر کرنا اپنا نصب العین قرار دیا اور شیطان نے ان پر اپنا تسلّط جما لیا۔ اطرافِ عالم سے موجد

اور مخترع کھنچ کر وہاں چلے آتے اور زندگی کی لذتوں کے متعلق کئی ایک نئی چیزیں اور نئے طریقے دریافت کئے۔ تمام امراء اور سرمایہ دار عیش پرستی میں منہمک تھے اور اس بارے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے تھے۔ ان کے متعلق یہاں تک مشہور ہے کہ ان عیش پرست اور خود پسند امراء میں جس کا کمربند ایک ہزار روپے سے کم قیمت کا ہوتا تھا، اسے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ہر سرمایہ دار اور امیر کبیر کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اس کے پاس ایک شاندار محل ہو جس کے صحن کے سامنے باغ ہو۔ حمام وغیرہ جیسے لوازم اس میں موجود ہوں۔ اس کے دسترخوان پر الوانِ نعمت چنے جائیں۔ اور اس کی زرق برق پوشاک سب لوگوں میں نمایاں ہو۔ نیز اس کے پاس عمدہ نسل کے گھوڑوں اور راحت بخش گاڑیوں کی کمی نہ ہو۔ اور خدمت کے لیے لونڈیاں اور کمربستہ غلام حاضر باش رہا کریں۔"

شاہ صاحبؒ اپنے دور کے سلاطین اور والیانِ ریاست کی مثال دے کر اہلِ روما اور اہلِ فارس (ایران) کی حالت اس طرح سمجھاتے ہیں:

"عصرِ حاضر کے ملوک و سلاطین اور والیانِ ریاست کے ٹھاٹھ دیکھ کر تم ان کی عیاشیوں اور زندگی کے مرافق میں غلو اور حد سے بڑھنے کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ عیش پرستی کا یہ طریقہ ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا۔ جس کی وجہ سے تمام تمدّن اور معاشرہ میں ایک لاعلاج روگ پیدا ہو گیا۔ دوسرے سب لوگ ان کی دیکھا دیکھی عیاشیوں پر مائل ہو گئے۔ کیونکہ یہ ایک سچّا مقولہ ہے ——

" اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ " یعنی عوام اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ رعیت کے ہر طبقہ میں اپنی حیثیت کے موافق عیاشی کا مرض پھیل گیا۔ اور اس نے وبائے عام کی صورت اختیار کر لی۔ اس عیاشی کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ قسم قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ کیونکہ عیاشانہ زندگی بسر کرنے کے لیے جس ساز و سامان کی ضرورت تھی اس کا حاصل ہونا بہت سی دولت خرچ کرنے کے بغیر ناممکن تھا۔ اس لیے ان ملوک و سلاطین نے اپنی رعیّت اور بیوپاریوں پر اور امراء نے اپنی اسامیوں پر بھاری بھاری لگان (ٹیکس) عائد کئے۔ اس حالت میں ان غریبوں کے لیے دو ہی راہیں تھیں، ایک تو یہ کہ بغاوت کا علم بلند کریں اور مسلّح

ہو کر مقابلہ کریں۔ ایسا کرنا تو ان کے امکان سے باہر تھا کیونکہ یہ لوگ بے سروسامان تھے۔ ان کے سامنے دوسرا راستہ یہ تھا کہ سلاطین اور سرمایہ داروں کی اطاعت سے منہ نہ موڑیں، چوپایوں اور گدھوں کی سی ذلیل زندگی بسر کریں۔ جن سے ان کی مرضی کے بغیر ہل چلانے اور کنوئیں سے پانی نکالنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اور جن کی تھوڑی بہت پرورش یا غور و پرداخت صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ مالکوں کی اپنی اغراض ان کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔

بہرحال نچلے طبقہ کے لوگ اپنے عمّال اور اپنے آقاؤں کی خدمت میں اس قدر مشغول ہوتے تھے کہ ان کو اُخروی سعادت کی طرف متوجہ ہونے کی لمحہ بھر بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔

اس عیاشانہ نظام (اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی زندگی) کو قائم رکھنے کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ اس قسم کے لوگ موجود ہوں جو ان کے لیے مختلف قسم کے کھانے تیار کریں، ان کے لیے مختلف طرح کے کپڑے اور زینت و آرائش کا سامان بنائیں اور ان کے لیے بڑے بڑے شاندار محلّات اور مکانات تعمیر کریں۔ لوگوں کی اکثر تعداد تو ان بے سُود اشغال میں مصروف ہوگئی تھی، اس لیے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ بہت سے ایسے ضروری ہُنر اور پیشے چھوڑ دیئے جائیں جن کا ہونا اصل تمدّن کے لیے نہایت ضروری تھا۔

جن لوگوں کا امراء اور سرمایہ داروں سے تعلّق تھا ان کے دلوں میں بھی یہ شوق پیدا ہو گیا تھا کہ وہ بھی ان سرمایہ داروں سے ملتی جلتی طرزِ معاشرت اختیار کریں۔ سب کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح حکومت سے وابستہ ہوں اور جس طرح بھی ممکن ہو حکومت کے خزانے سے کچھ پا کر اپنی زندگی بسر کریں۔ اس لیے اُن کی اکثریت نے تو سرکاری ملازمت کو ہی اپنا مقصد قرار دے لیا تھا اور اس ملازمت کو ہی منتہائے کمال سمجھتے تھے۔ ان کے پیشِ نظر یہ بات نہ ہوتی تھی کہ حکومت کا نظام ٹھیک طور پر کام کرے اور تمدّن کو کسی بہتر معیار پر رکھا جائے۔ ان کا نصب العین صرف جلبِ زر ہوتا تھا۔ ان میں بعض شعر گوئی کو اپنا پیشہ بنا لیتے تھے اور مدحیہ قصائد لکھ کر سرکاری خزانے کے لیے بارِگراں ثابت ہوتے تھے۔ بعض لوگ زہد اور پارسائی کے دکھاوے سے حکومت، سرکاری ملازمتوں اور عام لوگوں سے نذر لانے اور شکرانے وصول کرنے کا دام بچھاتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ جماعت بھی حکومت اور معاشرہ پر بوجھ

ڈالتی تھی ۔ملوک وسلاطین اور اربابِ اقتدار سے قرب حاصل کرنے اور طرح طرح سے اُن کی خوشامد اور چاپلوسی کرنے نے ایک ہمہ گیر وبا کی صورت اختیار کر لی تھی ۔

خلاصہ یہ کہ جب یہ مرض اپنی انتہائی شدت کو پہنچ گیا تو اللہ تعالےٰ ان پر سخت ناراض ہوا اور اللہ تعالےٰ کی صفت رحمت نے عوام کی حالت زار کو دیکھ کر یہ تقاضا کیا کہ (سرمایہ داری اور) عیاشی کے اس مرض کی بیخ کنی کی جائے ۔

چنانچہ اس نے نبیٔ امّی محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپؐ نے مذکورہ عیاشانہ زندگی کی قباحت اور برائی بیان فرمائی۔ سرمایہ دارانہ زندگی کے لوازمات سے پرہیز کرنے کا حکم دیا۔ مثال کے طور پر ریشمی کپڑے پہننے، سونے چاندی کے برتن کھانے پینے کے کام میں لانے، مردوں کا عورتوں کی طرح اپنے آپ کو زیورات سے آراستہ کرنے، شاندار عمارتیں بنوانے اور پھر ان کی آرائش کے لیے رنگین پردے اور تصویریں لٹکانے کو ممنوع قرار دیا۔ پیغمبر اسلامؐ نے اپنی امت اور اپنے پیروکاروں کو پہلے سے بتا دیا کہ آپؐ کا غلبہ (سرمایہ دار) سلاطین کی دولت و حکومت کے زوال کا باعث ہے اور آپؐ کی نبوّت کا مقصد کسریٰ اور قیصر (جیسے شہنشاہوں) کی سلطنتوں کو مٹا دینا ہے ــــــ"

سادہ معاشرت کے سلسلے میں جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان اپنی پسندیدہ اور مرغوب چیزیں کھانے پینے سے اپنا ہاتھ کھینچ لے، یا اپنی مرضی اور ذوق کے لباس و پوشاک کی طرف دیکھنا چھوڑ دے اور کبھی کوئی بڑھیا کپڑا بدن کو نہ لگنے دے ۔ یا زندگی کے حُسن وجمال اور نعمت ہائے خداوندی سے کنارہ کش ہو جائے ۔

اس ضمن میں اسلام کی اصولی تعلیم یہ ہے کہ حلال غذاؤں میں سے حسب مرضی کھاؤ پیو، جائز طریقے سے حاصل کردہ عمدہ لباس پہنو اور من پسند اشیاء کا استعمال کرو لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس میں اسراف نہ ہو اور دل تفاخر اور استکبار سے پاک ہو۔ حضرت عمرو بن شعیبؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" اجازت ہے خوب کھاؤ پیو، دوسروں پر صدقہ کرو اور پہنو بشرطیکہ اسراف اور نیت میں فخر و استکبار نہ ہو "

اسلامی طرزِ معاشرت سادگی کے ساتھ نفاست سے عبارت ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو والی بنا کر یمن

کی طرف روانہ کیا تو فرمایا: "اے معاذ، دیکھنا عیش پسند زندگی سے بچنا اس لیے کہ اللہ کے بندے عیش پسندانہ زندگی نہیں گذارتے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عیش پسندانہ زندگی گذارنے سے منع فرمایا ہے اور سادگی سے زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی ہے عیش پسندانہ زندگی سے مراد ایسا رہن سہن ہے جس میں اسراف اور فضول خرچی ہو اور تنعّم پایا جائے۔

مگر اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفائی و پاکیزگی اور خوش لباسی کی ترغیب دی ہے اس کو تجمل کہتے ہیں، تجمل اور تنعّم میں بڑا فرق ہے تجمّل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آپ نیا لباس زیب تن فرماتے تو دعا فرماتے اور آپؐ کی دعا میں یہ الفاظ بھی ہوتے اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِی حَیَاتِی یعنی میں اپنی زندگی میں اس لباس سے تجمّل حاصل کروں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفود سے ملنے کے لیے تجمّل کا لباس پہنتے تھے۔ اگر تجمّل میں غلو کیا جائے تو تنعّم شروع ہو جاتا ہے اور اگر تجمّل میں کمی کی جائے تو راہبانہ زندگی کی ابتدا ہو جاتی ہے شریعت نے تجمل کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی بلکہ ہر شخص کے ضمیر پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق اس کا تعین خود کرے لیکن اپنی چادر کے مطابق اپنے پاؤں پھیلائے۔ اپنے جامے سے باہر نہ ہو جائے۔

ایک حدیثِ نبویؐ جس کا پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے کہ "کھاؤ پیو اور پہنو اور صدقہ دو جب تک تکبر اور اسراف کی آمیزش نہ ہو"، گویا تنعّم کی تفسیر ہے کہ کھانے، پینے، پہننے حتیٰ کہ صدقہ و خیرات میں بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ نہ کیا جائے اور ایسا طرزِ زندگی اور وضع قطع اختیار نہ کیا جائے جس میں تکبر یا ریا یا سمعہ کی آمیزش ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بہت خوش پوش اور نفیس الطبع انسان تھے ان کا یہ قول امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ:

> "جو جی چاہے کھاؤ اور جو جی چاہے پہنو (جائز ہے) جب تک کہ دو باتیں نہ ہوں ایک اسراف اور دوسرے استکبار اور تفاخر"

اسی طرح سادگی کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انسان اپنی صورت و ہیئت اور لباس کے حسن و

قبح سے بے پرواہ ہو کر میلا کچیلا، پراگندہ حال اور پراگندہ بال رہنا شروع کر دے اور پاکیزگی ستھرائی، صورت و لباس کو سنوارنے کی فکر اور اس میں جمال پسندی کو سادگی کے منافی خیال کرے۔ اس طرح کا طرزِ عمل اسلامی تعلیمات و ہدایات اور شریعت کے مزاج سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں فضول و بے جا تکلفات سے بچنے کی تعلیم دی ہے وہیں نفاست و نظافت اور مناسب زینت و آرائش سے بے فکری اور لاپروائی کو بھی سخت ناپسند کیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے لیے ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپؐ کی نظر ایک پراگندہ حال آدمی پر پڑی جس کے سر کے بال منتشر تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ آدمی کوئی ایسی چیز نہیں پاسکتا تھا جس سے اپنے سر کے بال ٹھیک کر لیتا۔ اسی مجلس میں آپ نے ایک اور آدمی کو دیکھا جو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا تو ارشاد فرمایا:

"کیا اس کو کوئی چیز نہیں مل سکتی تھی جس سے یہ اپنے کپڑے دھو کر صاف کر لیتا۔"

(مسند احمد، سنن نسائی)

موطا امام مالک میں روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک آدمی مسجد میں آیا اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال بکھرے ہوئے اور بے تکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس کو اشارہ فرمایا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو ٹھیک کر لے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور جب پھر لوٹ کر آیا تو آپؐ نے فرمایا کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی سر کے بال بکھرے ہوئے ایسی (وحشیانہ) صورت میں آئے کہ گویا وہ شیطان ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اسلام رہنے سہنے، کھانے پینے اور لباس و پوشاک کے معاملے میں افراط و تفریط سے بچنے اور اعتدال کی راہ اپنانے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہی سادگی سے مطلوب و مقصود ہے۔ اس کا مدعا پاکیزگی اور نفاست اور ایک صاف ستھری معاشرت اور حسین زندگی سے گریز نہیں ہے، حسن و جمال تو بذاتِ خود ایک محبوب اور پسندیدہ ادا ہے جب تک کہ وہ عیش و

عشرت کے درجے تک نہ پہنچ جائے۔ اور تکبر اور خودستائی کے اظہار کا ذریعہ نہ بنے۔

سورۃ الاعراف کی درج ذیل آیات ہمارے لیے دلیل وھادی ہیں۔

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَرِیۡشًا، (آیت نمبر ۲۶)

"اے اولادِ آدم ہم نے تمہارے لیے پوشاک جو تمہارے ستر کو ڈھانپے اور آرائش کے کپڑے نازل کیے"

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّکُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا، (آیت نمبر ۳۱)

(اے اولادِ آدم لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو مگر بے جا خرچ نہ کرو)

اس آیت سے بقدر استطاعت صاف ستھرا اچھا لباس اختیار کرنے کی فضیلت اور استحباب ثابت ہوتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ زیب و زینت کا معیار کیا ہے؟ تو اگرچہ متوسّط درجے کی زندگی کے لیے کوئی ایک معیّن معیار مقرر کرنا مشکل ہے اور اس میں حالات کے تغیّر کے اعتبار سے فرق ہو سکتا ہے لیکن اپنی قوم اور اپنے معاشرے کے عام معیار کو سامنے رکھ کر صاحبِ دولت انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ وہ اپنی معاشرت اور طرزِ زندگی کا ایسا معیار اپنائے کہ وہ اپنی جائز تجمیل و تحسین کے ساتھ ساتھ اپنے غریب و مستحق اہلِ وطن کی خدمت اور انفاق فی سبیل اللہ کے ضمن میں آنے والے اپنے فرائض کو بھی ادا کر سکے۔

قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ، قُلۡ ہِیَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا خَالِصَۃً یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ (آیت نمبر ۳۲)

(آپ کہہ دیجئے کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری پاک چیزیں کھانے کی۔ کہہ دیجئے یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے واسطے ہیں دنیا کی زندگی میں اور خالص انہی کے واسطے ہوں گی قیامت کے دن)